© rasailojaraid.com

ہندوستان کی شرعی حیثیت

از ــــــ سعید احمد اکبرآبادی

(۴)

اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے اس بات کا صاف ہوجانا ضروری ہے کہ جب ہم ہندوستان کی شرعی حیثیت سے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک اس ملک کی شرعی حیثیت مسلمان ملکوں اور حکومتوں کے لئے اور دوسرے خود اس ملک کے مسلمانوں کے لئے، جہاں تک امرِ اوّل کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کی شرعی حیثیت مسلمان ملکوں اور حکومتوں کے لئے "دارالعہد" کی ہے، پھر یہ عہد اور مختلف معاملات و مسائل میں اشتراک و تعاون جتنا زیادہ ہوگا اُسی قدر ایک مسلمان ملک کا تعلق ہندوستان کے ساتھ زیادہ ہوگا۔ مثلاً ایک ملک کے ساتھ وہ برطانوی کامن ولتھ میں بھی شریک ہے اور مجلسِ اقوامِ متحدہ میں بھی اور ایک ملک کے ساتھ یہ دونوں رشتے بھی ہیں اور اُن کے علاوہ کچھ اور تجارتی، اقتصادی اور ثقافتی علائق و روابط بھی ہیں، ظاہر ہے ان دونوں قسم کے ملکوں کے ساتھ "دارالعہد" ہونے کا رشتہ ایک ہی درجہ اور مرتبہ کا نہیں ہوسکتا، بہرحال جس مسلمان ملک کے لئے ہندوستان جس درجہ کا دارالعہد ہے اُس ملک کی حکومت کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اُس کا احترام کرے اور عہد و پیمان کے جملہ شرائط کو صورۃً و معنیً پورا کرے![1]

---

[1] فقہ کی کتابوں میں ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ملک کسی مسلمان ملک کے ساتھ روپیہ میں دس آنہ احسان و کرم اور لطف و مدارات کا معاملہ کرے تو مسلمان ملک کا فرض ہے کہ اس کے جواب میں وہ غیر مسلم ملک کے ساتھ روپیہ میں ۱۲ / یا ۱۴ / معاملہ حسنِ اخلاق کا کرے۔ اور فقہا اس کی دلیل میں فرماتے ہیں:۔ "لاننا احق بالمکارم والاخلاق" (باقی برصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب رہا خود ہندوستان کے مسلمانوں کا معاملہ! تو جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ ملک دار کی چاروں قسموں میں سے کوئی قسم نہیں ہے۔ دار الحرب نہ ہونے پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے، رہے باقی تین دار! تو اس کا دار الاسلام نہ ہونا ایسا ظاہر ہے کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس ملک کی حکومت ہی سیکولر اور لادینی ہو اُس کے دار الاسلام ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے! اگرچہ ہمارے جن علما نے انگریزوں کے زمانہ کے ہندوستان کو۔ انگریزی حکومت کے سیکولر ہونے کے باوجود۔ دار الاسلام کہا ہے۔ وہ موجودہ آزاد ہندوستان کو بدرجۂ اولیٰ دار الاسلام کہیں گے۔ لیکن ہم ابھی آگے چل کر بتائیں گے کہ اُن کا وہ فیصلہ غلط تھا اور یہ بھی غلط ہوگا۔ کیوں کہ درحقیقت ان حضرات کا تصورِ دار الحرب و دار الاسلام ہی صحیح نہیں۔

جس طرح ہندوستان دار الحرب اور دار الاسلام نہیں ہے۔ اسی طرح دار العہد اور دار الامان بھی نہیں۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں دار وہاں پائے جاتے ہیں۔ جہاں مسلمان ایک فریق ہوں اور غیر مسلم فریقِ ثانی ہوں۔ اور ان دونوں میں علی الترتیب معاہد اور آمن و مستامن ہونے کا رشتہ اور تعلق پایا جائے۔ اور ظاہر ہے یہاں یہ رشتہ مفقود ہے۔ کیونکہ دستوری طور پر اور قومیت (NATIONALITY) کے موجودہ بین الاقوامی تصور کے ماتحت اس ملک کے مسلم اور غیر مسلم سب مل ملا کر ایک قوم ہیں۔ اور حکومت جو ہے وہ اسی قوم کی ہے۔ اور یہ قوم ایک دستور کی پابند ہے۔ جس کو عملی شکل دینا اور اُس کی حفاظت کرنا حکومت کا فرض ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ دستور نے دئے ہیں نہ کہ اکثریت نے اور انھیں جو کچھ شکایت کسی معاملہ میں بھی ہو حکومت سے ہی ہو سکتی ہے جس کی تشکیل میں خود مسلمانوں کا ایسا ہی حصہ ہے جیسا دوسروں کا۔ کہ وہ دستور کی حفاظت اور دوسرے لفظوں میں ان کی نمائندگی اور اعتماد کا حق ادا نہیں کر رہی ہے، بہرحال ان وجوہ سے ہندوستان یہاں کے

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) یعنی بحیثیتِ مسلمان کے ہم کو اور زیادہ بہتر مکارم و اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اگر بالفرض ایک مسلمان بھی نہ ہوتا تو یہ ملک مسلم ممالک کے لئے انٹرنیشنل ڈپلومیٹک اصول و ضوابط کے ماتحت پھر بھی دار العہد ہوتا۔ لیکن جبکہ یہاں پانچ ساڑھے پانچ کروڑ مسلمان بھی آباد ہیں، اور اُن کی عظیم الشان روایات اور تاریخ ہیں تو اب مسلم ملکوں کے لئے اس ملک کے ساتھ خیرسگالی اور دوستی کا برتاؤ کرنے کی ایک مزید وجہ وجیہ موجود ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں دونوں سے بجتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے لئے دارالعہد اور دارالامن بھی نہیں ہے۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بھی نہیں اور وہ بھی نہیں تو آخر یہ ہے کیا؟ اور شرعی طور پر اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک ملک میں رہنے والے مختلف مذہبی طبقات کے باہمی تعلقات اور بین الاقوامی علائق و روابط جس نہج اور جس ڈھنگ پر ہوتے تھے، آج صورتِ حال اُس سے بالکل مختلف ہے اس بنا پر پہلے قوموں کی جو تقسیم ہوتی اور اُس پر جو احکام و مسائل مرتب ہوتے تھے آج اُن کا اطلاق اُن قدیم مفاہیم و معانی کے ساتھ نہیں ہو سکتا، باب الرقیق اور باب العتق فقہ کے بہت اہم ابواب تھے۔ لیکن آج یہ بالکل بے کار ہیں۔ کتاب الحدود کی اہمیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن آج کہاں اس پر عمل ہو رہا ہے؟ فقہ میں "ذمی" اور "ذمیہ" کے احکام و مسائل کا تذکرہ ملتا ہے لیکن آج ذمی کا وجود کس ملک میں ہے؟ یہاں اس سے بحث نہیں کہ کون سی تبدیلی صحیح ہے اور کونسی غلط؟ دیکھنا صرف یہ ہے کہ تبدیلی ہے یا نہیں؟ پس جب تبدیلی ہے تو لازمی طور پر اس کا اثر احکام و مسائل پر پڑے گا۔ فقہ کا مشہور اصول ہے کہ تبدیلِ مذہب سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ بلاءِ عام ہو گئی تو مولانا تھانویؒ نے علماء کے مشورہ اور اُن کے اتفاق سے فتویٰ اس کے برعکس دیا اور اس پر الحیلۃ الناجزۃ للمرأۃ العاجزۃ کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا۔ تعلیمِ قرآن و امامت کی اجرت کو فقہائے متقدمین نے ناجائز کہا ہے۔ لیکن متاخرین نے اسے سندِ جواز عطا فرما دی۔ حلق لحیہ کو فقہائے متقدمین نے علامتِ فسق اور اُس کے مرتکب کو مردود الشہادۃ قرار دیا۔ لیکن آج ان لوگوں کی نہ صرف یہ کہ شہادت مردود نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی ممالک میں امامت۔ درسِ قرآن و حدیث اور عہدۂ قضا و افتا کی کرسیوں پر متمکن ہیں۔ جن درختوں کے پھل ابھی پکے نہیں اور اُن کی مقدار معلوم و معین نہیں ہے، فرمانِ نبویؐ کے مطابق ان کی بیع حلال نہیں تھی، لیکن آج ہر جگہ یہ کاروبار ہو رہا ہے اور بڑے بڑے زمیندار علماء کر رہے ہیں اور کوئی پوچھتا تک نہیں ہے۔ تصویر کھنچوانا اور رکھنا دونوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ لیکن آج حجازِ مقدس میں بھی اس کا عام چلن اور رواج ہے۔ فقہا اس بات میں اختلاف کرتے رہے کہ عورت کا چہرہ اور اُس کے دونوں ہاتھ بھی ستر میں داخل ہیں یا نہیں۔ لیکن عورت نے پردہ کے پیچھے سے وہ جست لگائی کہ جھٹ ہر شعبۂ حیات میں مرد کی شریک و سہیم نہیں، بلکہ رقیب بن گئی۔ اور اسلامی سماج نے اس کو اس خوشی سے قبول کر لیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دختران اسلام گرمی کے موسم میں سمندروں کے کنارے غسلِ آفتابی لیتی ہیں اور کہیں پتہ بھی نہیں کھڑکتا! یہ سب کچھ کیا ہے؟ اچھا یا بُرا زمانہ کا انقلاب ہے جس نے اسلام کی سماجی اور معاشرتی زندگی کی قدروں کو اتھل پتھل کردیا اور انھیں کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ ان میں کتنی چیزیں ہیں جو پہلے ناجائز تھیں اور اب انھیں فتوؤں کے سہارے جائز کردیا گیا ہے اور کتنی ہی وہ ہیں جو پہلے کی طرح ناجائز یا حرام اب بھی ہیں، لیکن ان سے متعلق بھی حالات کا یہ اثر ضرور ہوا ہے کہ پہلے یہ بالکل ناگوار تھیں اب گوارا ہوگئی ہیں۔ اب اگر ان چیزوں کے گوارا ہوجانے کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں ہے جب وقت کا مجدد اور مفتی انھیں بھی سندِ جواز عطا فرما کر محللات میں شامل کرلے گا اور دنیا اسے دیکھ کر شیخ سعدی کے مقولہ " زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز " کی حکمت و مصلحت پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے پر مجبور ہوگی۔

بین الاقوامی تصورِ قومیت

بہرحال جہاں تک مسئلۂ زیرِ بحث کا تعلق ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اگرچہ اسلام میں شخصی یا خاندانی حکومت کے لیئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس پر عمل صرف خلافتِ راشدہ کے زمانہ تک رہا۔ اس کے بعد حکومت خلافت یا امامت سے ملوکیت کی شکل و صورت میں منتقل اور خاندانوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔ جس کا موقع لگا بادشاہ بن کر بیٹھ گیا اور جب اُس کا انتقال ہوا تو تختِ شاہی بہ طور ایک ترکہ کے اُس کی آل اولاد یا بھائی بھتیجوں کے حصہ میں آگیا۔ اس دور میں شاہی خاندان کے علاوہ حدودِ مملکت میں رہنے والے جتنے لوگ ہوتے تھے رعیت یا رعایا (SUBJECT) کہلاتے تھے۔ لیکن خود رعیت دو حصوں میں تقسیم ہوتی تھی، ایک وہ لوگ جو حکمرانوں کے ہم مذہب ہوتے تھے اور دوسرے وہ جو ان کے ہم مذہب نہیں ہوتے تھے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ملک کے شہری (CITIZENS) ہوتے تھے۔ لیکن بنیادی حقوق میں یکساں شریک ہونے کے باوجود ان دونوں میں بعض اعتبارات سے فرق و امتیاز ہوتا تھا۔ مسلمان حکومتوں میں یہی فرق " ذمی " کے لفظ سے ظاہر کیا جاتا تھا۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں وہاں کے دستور میں انیسویں ترمیم سے پہلے عورتوں کو تمام حقوقِ شہریت حاصل تھے۔ لیکن ووٹ دینے کا حق نہیں تھا۔ یا آج بھی امریکہ کے جو پیدائشی باشندے ہیں اور جو وہاں آکر آباد ہوگئے ہیں اُن میں فرق یہ ہے کہ دوسری قسم کے لوگ پریذیڈنٹ یا وائس پریذیڈنٹ نہیں ہوسکتے۔ حکومت ایک قسم کی مذہبی ہوتی یا سمجھی جاتی تھی۔ اس بنا پر اس مذہب کے لوگوں کو یک گونہ فوقیت ہوتی تھی۔ تمام دنیا میں یہی طریقہ رائج تھا!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ رعایا (SUBJECT) کی جگہ شہریت (CITIZENSHIP) اور قومیت یا جنسیت (NATIONALITY) نے لے لی ہے اور حکومت کے تصور کے ساتھ ساتھ باشندگانِ ملک کی حیثیت کا تصور بھی بدل گیا ہے۔ پہلے حکومت چند افراد یا خاندان کی ہوتی تھی، اس بنا پر حکمراں آقا اور باشندگانِ ملک رعایا سمجھے جاتے تھے، لیکن آج حکومت عوام کی نمائندہ اور اُن کی منتخب ہوتی ہے۔ اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں جو جاگیردارانہ نظامِ سلطنت (FEUDAL SYSTEM OF GOVERNMENT) رائج تھا۔ اب اس کے بجائے علاقائی خود مختاری (TERRITORIAL STATE SOVEREIGNTY) کا رواج ہے اور جسے ہم اسٹیٹ کہتے ہیں وہ سب اہلِ ملک کا ایک کارپوریشن (CORPORATION OF MEMBER INDIVIDUALS) ہے، یورپ کا یہ تصورِ اسٹیٹ اور اُس کے نتیجہ میں شہریت اور قومیت کا یہ تصور اب عالمگیر اور بین الاقوامی ہے جسے مسلم اور غیر مسلم سب ممالک نے تسلیم کر لیا ہے۔ اور پاسپورٹ اور ویزا اور شہریت و قومیت سے متعلق تمام بین الاقوامی مسائل و معاملات کا انتظام و انصرام اسی پر ہے۔

دارالاسلام کی تعریف | شہریت۔ قومیت اور اسٹیٹ ان جدید مسلّم بین الاقوامی تصورات کو ذہن میں رکھ کر اب اس پر غور کیجئے کہ آج صحیح معنی میں دارالاسلام کس ملک کو کہا جا سکتا ہے؟ فقہا کی تصریح کے مطابق دارالاسلام میں تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) صدرِ مملکت جسے فقہا عام طور پر امام کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اُس کو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ناموسِ شریعت کا محافظ اور پاسبان ہونا چاہئے۔

(۲) ملک میں اسلامی قانون رائج ہونا چاہئے جس کا بنیادی مقصد عدل اور احسان کا قیام اور فواحش و منکرات کا استیصال ہے۔

(۳) ہر مسلمان خواہ کسی ملک اور علاقہ کا باشندہ ہو اور اس اعتبار سے ایک مقامی قومیت رکھتا ہو اُس کو دارالاسلام میں بلا روک ٹوک آنے کی اجازت ہو گی اور اسے وہاں پہونچتے ہی وہ تمام شہری حقوق حاصل ہو جائیں گے جو وہاں کے پہلے سے رہنے والوں کو حاصل ہیں، وہ وہاں زمین خرید سکتا ہے کھیتی باڑی اور کاروبار کر سکتا ہے۔ ملازمت میں لیا جا سکتا ہے اگر جائداد پیدا کر سکتا ہے اسے اختیار ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب تک چاہے وہاں قیام کرے۔ حکومت اُس کو اخراج کا حکم نہیں دے سکتی، اسی بنا پر یہ مسلمان اگر کسی دوسرے ملک میں کسی جرم کا ارتکاب کرکے آیا ہے تو دارالاسلام کی حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اسے سزا دے۔

دارالاسلام کے ان شرائط سہ گانہ کو جو تقویمی ہیں نہ کہ تقسیمی، پیشِ نظر رکھ کر سوچئے کہ دارالاسلام کی یہ تعریف آج کسی مسلم ملک پر صادق آتی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ایک موقع پر کہا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ اگر آپ نے یہ کوئی اصطلاح ہی بنالی ہے کہ جس ملک میں مسلمان اکثریت میں ہوں گے آپ اسے دارالاسلام کہیں گے تو بات دوسری ہے۔ ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ جس ملک میں فواحش و منکرات عام ہوں اور ملک کا قانون اُن کا انسداد نہ کرتا ہو اُس کو دارالاسلام کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شاندار محل ہو جس میں برہنہ عورتوں کے مجسمے جابجا نصب ہوں۔ اور اُس کے پُرتکلف آراستہ و پیراستہ کمروں میں کہیں طبلہ پر تھاپ پڑ رہی ہو، کہیں گھنگرو بج رہے ہوں اور کہیں "ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں" کا ہنگامہ برپا ہو اور ان تمام خصوصیات کے باوجود آپ فرمائیں کہ یہ قصرِ رفیع الشان "شیخِ حرم" کی رہائش گاہ ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ لامشاحۃ فی الاصطلاح کی آڑ لے کر آپ تسمیۃ الشیٔ باسمِ غیرہٖ کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ علاوہ ازیں آج پاسپورٹ اور ویزا کے جو قواعد و ضوابط ہیں اُن کی سختی کا یہ عالم ہے کہ جو مسلمان حجازِ مقدس جاتے ہیں ان کو ویزا میں یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ وہاں کوئی کاروبار یا ملازمت نہ کریں گے۔ اور وہاں بھی شہری حقوق حاصل کرنے کے وہی قواعد و ضوابط ہیں جو دوسرے ملکوں میں ہیں، ان امور کے پیشِ نظر دو حال سے خالی نہیں، اگر دارالاسلام کی تعریف اور اُس کے خصوصیات اب بھی وہی ہیں جو فقہ کی کتابوں میں درج ہیں اور جن کی وجہ سے اسم اور مسمی میں مطابقت پیدا ہوتی ہے تو پھر بتانا ہوگا کہ ان اوصاف و خصائص کا حامل کونسا ملک ہے اور یا دارالاسلام کی کوئی نئی تعریف ایسی کرنی ہوگی جس کے ماتحت مسلمانوں کی اکثریت والے ملک دارالاسلام کہلا سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ باوجود ان تمام باتوں کے جن کا ذکر ابھی ہوا۔ مسلمانوں کی اکثریت والے ممالک جہاں مسلمان صدرِ مملکت ہے فقہا کے اُن بیانات کی روشنی میں جنھیں ہم سابق میں نقل کر آئے ہیں دارالاسلام ہی ہیں، لیکن ان ممالک کی کیا خصوصیت ہے۔ ان بیانات کی رو سے تو ہندوستان اور دوسرے غیر مسلم اکثریت کے ملک جہاں مسلمانوں کی مذہبی آزادی مسلّم ہے۔ وہ بھی دارالاسلام قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ آپ پڑھ ہی آئے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برطانوی عہد کے ہندوستان کو کس کثرت سے علما نے دارالاسلام لکھا اور کہا ہی ہے۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ چونکہ دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاح کہیں قرآن میں نہیں ہے اور عہدِ نبوت و عہدِ صحابہ میں بھی اس کا سراغ نہیں ملتا، پھر قدیم مصنفین کی کتابوں میں عام طور پر بجائے دارالاسلام کے "دارنا" ہمارا ملک یا "ہمارا وطن" کے الفاظ ملتے ہیں[1] علاوہ ازیں کتبِ فقہ میں دارالاسلام کے ساتھ "دارالمسلمین" کا لفظ بھی مستعمل ہوا ہے[2]۔ اور اس زمانہ میں بدقسمتی سے کوئی ملک ایسا نظر بھی نہیں آتا جس پر اسلام فخر کرسکے اور جو (فقہا کے بیانات سے قطعِ نظر) صورۃً و معنیً دارالاسلام ہو اس بنا پر ہمارے زمانہ میں شہریت اور قومیت یا جنسیت کا جو بین الاقوامی تصور قائم ہوگیا ہے اور جسے مسلم اور غیر مسلم سب ممالک نے اختیار کرلیا ہے ہم کیوں نہ اُس کی روشنی میں دار کی ایک نئی قسم معین کریں۔

یہ واضح رہنا چاہیئے کہ مسلم اکثریت کے ممالک کا ذکر محض ضمناً آگیا ہے۔ ورنہ اس مقالہ کا اصل موضوعِ بحث ہندوستان ہے اور اسی سے ہمیں سروکار ہے۔ یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ سب ہندوستانی مذہب اور زبان اور رنگ و نسل کے اختلاف کے باوجود دستوری اور آئینی طور پر ایک قوم (NATION) ہیں اور مسلمان بھی اس کا ایک جز ہیں، چنانچہ پاسپورٹ۔ ویزا۔ شہری حقوق۔ قومی اور بین الاقوامی معاملات و مسائل۔ ان سب امور میں ان کے ساتھ جو معاملہ یا برتاؤ ہوتا ہے وہ ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے، ان کی یہ وہ حیثیت ہے جس کو خود انھوں نے تسلیم کیا ہے اور انٹرنیشنل لا کے ماتحت دنیا کی سب مسلم اور غیر مسلم حکومتوں اور قوموں نے کیا ہے۔ اس بنا پر ہندوستان کسی ایک مذہب یا گروہ کا نہیں بلکہ اُن تمام لوگوں کا وطن (دار) ہے جو انڈین نیشنلٹی رکھتے اور انڈین نیشن کا جز ہیں۔

ایک انسان کا دوسرے انسان سے یا ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے جو تعلق یا رابطہ (ASSOCIATION) ہوتا ہے وہ بہت سے دائروں میں تقسیم ہے اس سلسلہ کا سب سے بڑا دائرہ وہ ہے جس میں ربط بر بنائے انسانیت ہوتا ہے۔ اس کے بعد مذہب اور پھر وطن کے دائرے ہیں کسی دائرہ کے بڑے ہونے کے معنیٰ یہ ہرگز نہیں کہ وہ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جدید ایڈیشن جلد ۲ ص ۱۲۷

[2] ملاحظہ کیجیے المبسوط للسرخسی ج ۱۰ ص ۱۱۴ باب المرتدین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس سے چھوٹے دائروں سے زیادہ اہم ہے۔ البتہ ہر دائرہ کے حدود اور اُس کے اپنے مقتضیات و مطالبات ہیں بہرحال انسانی علائق و روابط کے یہ دائرے طبعی اور فطری ہیں، اس بنا پر اسلام بھی انھیں تسلیم کرتا اور اُن کے حدود اربعہ متعین کرکے ہر ایک کے واجبات و مطالبات کی تشخیص کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں پیغمبروں نے جگہ جگہ اپنے اہلِ وطن کو یا قومِنا۔ یا یا قومی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن لوگوں کے لئے جن میں آپ مبعوث ہوئے "قوم" کہا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں امۃ کا لفظ بھی قوم کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وما من امۃ الا خلا فیہ نذیر — اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچ کر یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اُس میں بھی مسلمانوں اور یہود سب کو امۃ واحدۃ فرمایا، پس جب اس وطنی اشتراک کو قرآن تسلیم کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے تسلیم کیا اور اُس کی اساس پر آپ نے غیر مسلموں سے معاملات طے کئے اور ان لوگوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا اس بنا پر ہندوستان کی شرعی حیثیت یہاں کے مسلمانوں کے لئے یہ ہے کہ یہ اُن کا الوطن القومی (NATIONAL HOME) ہے اور اس کے لئے جداگانہ احکام ہیں یوں تو اسلام کی تعلیمات کی رو سے دنیا کے سب انسانوں کے ساتھ ہی بر و قسط اور احسان و کرم اور خدمت و اعانت کا معاملہ ہونا چاہئے لیکن الاقرب فالاقرب کے ماتحت جو جتنا قریب ہے اتنا ہی اس کا حق ہے، اسی بنا پر قرآن میں ذوی القربیٰ کو دوسرے مستحقینِ امداد و اعانت پر مقدم رکھا گیا ہے۔

قومی وطن ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس ملک کو ترقی دینے اور اسے مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے جو کوششیں ہو رہی ہیں اُن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اور جہاں کہیں ظلم و بے انصافی ہو اُس کے خلاف آواز اٹھائیں اور عدل و احسان کے قیام اور منکر و فحشا سے اس ملک کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کے ذہن اور دماغ، اُن کی صلاحیتِ کار۔ اُن کی دولت و ثروت اور اُن کے اخلاق و کردار پر صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ اس ملک کے ہر مرد اور ہر عورت کا حق ہے جس زمانہ میں مسلمانوں کی طاقت و قوت اور اُن کی حکومت و سلطنت کا ڈنکا بجتا تھا اُس زمانہ میں بھی مسلمانوں کا عمل اصولِ فقہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مشہور اصول پر تھا:

المسلم والکافر فی مصائب الدنیا سواء۔ ^ل^ — مسلمان اور غیر مسلم دنیوی مصائب وحوادثات میں برابر ہیں۔

اسلام میں شرک سے زیادہ مبغوض کوئی چیز نہیں، لیکن اس کے باوجود مشرک کے متعلق بھی حکم یہ ہے کہ اگر وہ پناہ مانگے تو مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اسے پناہ دے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ — اگر کوئی ایک مشرک بھی تجھ سے پناہ طلب کرے تو اس کو پناہ دے۔

پس جس مذہب کی تعلیمات یہ ہوں اُس کے ماننے والوں کو محسوس کرنا چاہئے کہ برادران وطن اور خود وطن کے ساتھ اُن کا معاملہ کیا ہونا چاہئے۔

ل The MUSLIM CONDUCT OF STATE BY DR. HAMIDULLAH P: 71

اعلان

(" سیماب اور دبستانِ سیماب پر تحقیق ")

میں پونہ یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کے لئے علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم پر مندرجہ بالا عنوان سے کام کر رہا ہوں اساتذۂ متاخرین میں علامہ سیماب کے تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ عصرِ حاضر کے بہت سے مشہور ادیب وشاعر بھی مرحوم سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ میرا موضوع چونکہ بے حد وسیع ہے اس لئے بغیر ارکان دوستوں اور خود علامہ سیماب مرحوم کے تلامذہ کی مدد کے یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہندوستان اور پاکستان کے تمام تلامذۂ سیماب اور ادب نواز حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

(i) ہندو پاک کے موجودہ تلامذۂ سیماب اپنے مختصر حالاتِ زندگی مع تاریخ تلمذ۔ غزلوں کے بیس منتخب اشعار، دو بہترین نظمیں، اپنی تصانیف وتالیفات کی فہرست اور اپنے ادبی مقام سے متعلق حوالوں اور دوسروں کی آراء سے مطلع فرمائیں۔

(ii) اپنی غزلوں پر استاد مرحوم کی اصلاح کا نمونہ (اپنی اصل غزل کے ہمراہ)

(iii) مرحوم تلامذۂ سیماب کے متعلق جن حضرات کو علم ہو وہ ان کا تذکرہ اور کلام عنایت فرمائیں۔

(iv) تلامذۂ سیماب اپنی تازہ ترین تصویر بھی مرحمت فرمائیں۔

پروفیسر افتخار احمد فخر دہلوی ایم اے

(شعبۂ اردو - فارسی) ایم جے کالج جلگاؤں مشرقی خاندیش (مہاراشٹر)

© rasailojaraid.com